انسانوں کی خدمت

اسلام کی نظر میں

مولانا سیّد جلال الدین عمری

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

پیش نظر کتابچہ 'انسانوں کی خدمت - اسلام کی نظر میں' پہلی بار ۱۹۸۷ء میں طبع ہوا۔ اس کے بعد اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ پاکستان سے بھی وہ شائع ہورہا ہے۔ ہندی اور بعض دوسری علاقائی زبانوں میں بھی اس کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔ اب کی بار طباعت کے لیے جانے سے پہلے میں نے اس پر ایک نظر ڈالی ہے اور اسے بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ خاص طور پر جو حوالہ جات نامکمل تھے وہ مکمل کیے گئے ہیں۔

اس کتابچہ کی اشاعت کے بعد اسی موضوع پر راقم کی کتاب 'اسلام میں خدمت خلق کا تصور' شائع ہوچکی ہے۔ اس میں زیادہ تفصیل سے اس کے نکات پر بحث ہے اور قرآن و حدیث کے دلائل فراہم کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن ہندوستان اور پاکستان سے نکل چکے ہیں۔ اس کا انگریزی اور ہندی کے علاوہ کئی علاقائی زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور آخرت میں اس گناہ گار کی مغفرت اور نجات کا ذریعہ بنادے۔

جلال الدین عمری

یکم نومبر ۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدمتِ خلق کی اہمیت

اسلام نے انسانوں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اس نے مخلوق کی خدمت کو خالق کی خدمت سے تعبیر کیا ہے۔ اس نے کہا کہ بندوں کی مدد کرنا حقیقت میں خدا کی مدد کرنا ہے۔ ان کے کام آنا خدا کے کام آنا ہے۔ اگر آپ کے روبرو خدا کا کوئی بندہ ہاتھ پھیلائے اور آپ اس کا ہاتھ خالی لوٹا دیں تو گویا آپ نے خدا کے ہاتھ کو خالی لوٹا دیا۔ کوئی مریض آپ کی مدد کا محتاج ہو اور آپ نے اس کی مدد سے انکار کیا تو گویا خدا کی مدد سے انکار کیا۔ خدا کو خوش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے بندوں کو خوش کیا جائے اور ان کو راحت پہنچائی جائے۔ آسمان والا اپنی رحمتیں اسی وقت نازل کرتا ہے جب کہ زمین والوں پر رحمت و شفقت کا سلوک کیا جائے، ایک حدیث میں اِسی حقیقت کو بہت ہی مؤثر اور دل نشین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ انسان سے کہے گا۔ اے ابن آدم! میں بیمار پڑا رہا، لیکن تو نے میری عیادت نہیں کی۔ انسان گھبرا کر عرض کرے گا۔ اے میرے رب! تو سارے جہان کا پروردگار ہے تو کب بیمار تھا اور میں تیری عیادت کیسے کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیا تجھے نہیں معلوم تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے

لیکن اس کے باوجود تو اس کی مزاج پرسی کے لیے نہیں گیا۔ اگر تو اس کے پاس جاتا تو مجھے وہاں پاتا۔ پھر خدائے تعالیٰ فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا۔ اے رب العالمین! تو کب بھوکا تھا اور میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا، لیکن تو نے اسے نہیں کھلایا۔ اگر تو نے اس کا سوال پورا کیا ہوتا تو آج اس کا ثواب یہاں پاتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ انسان عرض کرے گا۔ اے دونوں جہان کے پروردگار! تو کب پیاسا تھا اور میں تجھے پانی کیسے پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا لیکن تو نے اس کی پیاس بجھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر تو نے اس کی پیاس بجھائی ہوتی تو آج اس کا ثواب یہاں پاتا[1]

۱- خدمتِ خلق عبادت ہے

اللہ تعالیٰ سے تقرب اور اس کی رضا جوئی کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان اپنے جذبات و احساسات کو اس کی نذر کردے۔ اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو جائے، اپنا سر جھکا دے اور سجدہ ریز ہو جائے۔ اس کا سب سے بڑا مظہر نماز ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ زکوٰۃ اس کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت۔ نماز بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور اپنی عبدیت کا اعلان ہے اور زکوٰۃ اِس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ انسان کے دل میں ہم دردی اور غم خواری کا جذبہ موجود ہے اور وہ دوسروں کے لیے اپنا مال صرف کرسکتا ہے۔ قرآن مجید نے نماز اور زکوٰۃ کا بالعموم ایک ساتھ ذکر کیا ہے، دونوں پر یکساں زور دیا ہے اور ان کی بار بار تاکید کی ہے۔اس کا

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل عیادۃ المریض

مطلب یہ ہے کہ مالی عبادت بھی اس کے نزدیک بدنی عبادت سے کم اہم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے وہ جس طرح بدنی عبادت کو ضروری سمجھتا ہے، اسی طرح مالی عبادت کو بھی لازمی قرار دیتا ہے۔ وہ جس دین کا مطالبہ کرتا ہے وہ صرف یہ نہیں ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے دربار میں عقیدت و محبت کے ساتھ جھک جائے۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنی کمائی ہوئی دولت میں اللہ کے بندوں کا حق تسلیم کرے اور ضرورت مندوں پر خرچ کرے۔

وَ مَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ۝ (البینۃ:۵)

ان کو بس اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے یکسو ہوکر۔ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ یہی مضبوط دین ہے۔

۲- خدمت سے عبادت کی کمی کی تلافی

قرآن مجید نے خدمتِ خلق اور حسن سلوک کو اس قدر اہمیت دی کہ بعض مواقع پر اس کو بدنی عبادات کے قائم مقام کر دیا ہے۔

نماز کی طرح روزہ ایک بدنی عبادت ہے، جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی رضا لیے بھوکا پیاسا رہتا ہے اور اپنی خواہشات اور جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ قرآن نے مصیبت زدہ انسانوں کی مدد اور بہی خواہی کو اس خالص بدنی عبادت کے برابر قرار دیا ہے۔ گویا دونوں ایک حیثیت کے کام ہیں اور اللہ تعالیٰ سے تقرب میں یکساں درجہ رکھتے ہیں۔

روزہ کے سلسلے میں ایک ابتدائی حکم یہ تھا کہ جو شخص طاقت کے باوجود روزہ نہ رکھ سکے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ (البقرۃ:۱۸۴)

اگر کوئی مسلمان کسی ایسی قوم کے فرد کو قتل کر دے، جس سے اسلامی ریاست کا معاہدہ ہو تو اسے اس کے گھر والوں کو متعینہ دیت دینی ہوگی اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا

ہوگا جو اس کی استطاعت نہ رکھے اسے مسلسل دو مہینے کے روزے رکھنے ہوں گے۔ (النساء:۹۲)

جو شخص اپنی بیوی کو ماں قرار دے بیٹھے اور پھر اس سے رجوع کرنا چاہے تو حکم ہے کہ وہ بطورِ کفارہ ایک غلام آزاد کرے یا مسلسل ۶۰ روزے رکھے۔ یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ (المجادلۃ: ۲، ۳)

قسم کا کفارہ یہ بیان کیا گیا کہ دس مسکینوں کو کھانا کپڑا دیا جائے یا کسی غلام کو آزاد کیا جائے۔ یا تین روزے رکھے جائیں۔ (المائدۃ:۸۹)

حج، نماز اور روزہ کی طرح خالص بدنی عبادت نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس کا بدنی عبادت ہونا مالی عبادت ہونے کے مقابلے میں زیادہ نمایاں ہے۔ اِس سلسلے کا ایک حکم یہ ہے کہ جو شخص حج میں تمتع کرنا چاہے۔ وہ قربانی کرے اور اگر قربانی کا جانور نہ میسر ہو تو دس روزے رکھے۔ (البقرۃ:۱۹۶)

ان احکام میں غلام کو آزاد کرنے، مسکینوں کو کھانا کپڑا دینے اور قربانی کے ذریعے غریبوں کی مدد کو روزے کے مساوی حیثیت دی گئی ہے۔ بدنی عبادات میں جو نقص رہ جائے اس کی تلافی کی بھی یہ صورت بتائی گئی ہے کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ خیر خواہی اور مدد کی جائے۔ حالتِ احرام میں بال منڈوانے کی ممانعت ہے۔ اگر کسی تکلیف کی وجہ سے کسی کو بال منڈوانا پڑے تو حکم ہے کہ روزہ رکھے یا قربانی کرے یا صدقہ دے۔ (البقرۃ:۱۹۶)

رمضان کے روزوں کے بعد صدقۂ فطر رکھا گیا ہے۔ اور اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے روزوں میں جو لغو اور بے ہودہ اعمال سرزد ہو جاتے ہیں، ان کی تلافی ہوتی ہے۔[1]

اس سے بھی آگے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہ رکھتے ہوں ان کو روزے کے عوض ایک مسکین کو دونوں وقت کھانا

---

[1] ابوداؤد، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ الفطر

کھلانے کا حکم ہے۔

خدا اور انسان کے تعلق کو مضبوط کرنے میں بدنی عبادت کو غیر معمولی اہمیت ہے۔ ذکر و فکر، تسبیح و تہلیل، رکوع و سجدہ اور دعا کے بغیر کسی شخص کو خدا کا قرب کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ قرآنِ مجید نے خدمتِ خلق اور حسنِ سلوک کو اس کا بدل قرار دے کر مالی عبادت کو وہ مقام عطا کر دیا کہ مذہب کے نظام میں اس سے بلند مقام کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

خدمتِ خلق کی مختلف صورتیں

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی ایک متعین شکل نہیں ہے۔ اس کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ وقتی مدد

ایک صورت یہ ہے کہ وقتی طور پر انسانوں کی ضروریات پوری کردی جائیں۔ بعض وقت انسان وقتی اور ہنگامی مدد کا سخت محتاج ہوتا ہے اور اس میں تھوڑی سی غفلت بھی اسے بے حد نقصان پہنچا سکتی ہے۔ کسی مریض کو بروقت دوا نہ ملے یا جو شخص بھوک سے تڑپ رہا ہو، اس کی بھوک فوراً مٹائی نہ جائے تو اس کی زندگی ہی کے خطرے میں پڑ جانے کا امکان ہے۔ وقتی مدد کا محتاج وہی شخص نہیں ہوتا جو مفلس اور نادار ہو، بلکہ اس کی ضرورت خوش حال انسان کو بھی پیش آسکتی ہے۔ اس کا تعلق مالی حیثیت سے زیادہ ان حالات سے ہے جن میں وہ ہنگامی طور پر گھر گیا ہے۔ راستہ میں کسی کی جیب کٹ جائے اور اس کا اپنے گھر پہنچنا مشکل ہوجائے تو آپ کو لازماً اس کی مدد کرنی چاہیے تاکہ وہ بہ آسانی اپنے گھر پہنچ سکے۔ چاہے وہ اپنی جگہ آپ کے تعاون کا محتاج نہ ہو۔ دولت مند آدمی سے دولت مند بھی کسی وقت دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہوجائے تو اس کا حق ہے کہ اس کی حاجت پوری کی جائے۔ یہی حقیقت ایک حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے جس کی روایت امام حسینؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کی ہے:

لِلسَّائِلَ حَقٌّ وَ اِنْ جَاءَ عَلٰی فَرُس[1] سوال کرنے والا اگر گھوڑے پر سوار ہو۔ تو بھی اس کا تم پر حق ہے۔

ایک دوسری حدیث ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

افضل الصدقة ان تشبع کبدا جائعًا[2] کسی بھوکی جان کا پیٹ بھر دینا بہترین صدقہ ہے۔

ام بجیدؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہﷺ سے عرض کیا حضورؐ کبھی کوئی سائل میرے دروازے پر پہنچ جاتا ہے اور میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تو بڑی شرم محسوس ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔ کچھ نہ ہو، تو جلا ہوا کُھر ہی اسے دے دو۔[3]

۲- ضرورت کا مستقل حل

خدمت خلق کی دوسری صورت یہ ہے کہ جو شخص مشکلات میں گرفتار ہے اس کے لیے ایسی آسانیاں فراہم کی جائیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے ان مشکلات سے باہر نکل آئے۔ اس کے مسائل کا عارضی نہیں بلکہ مستقل حل ڈھونڈا جائے، اور جن اسباب کی وجہ سے زندگی کی جدوجہد میں وہ پیچھے رہ گیا ہے، ان کو دور کیا جائے۔ اِس میں شک نہیں کہ کسی بھوکے کے ساتھ یہ بھی حسن سلوک ہے کہ اسے دو روٹیاں کھلا دی جائیں، یا کسی برہنہ تن کو تن ڈھانکنے کے لیے نیا یا پرانا کپڑا دے دیا جائے، لیکن ان کے ساتھ حقیقی سلوک اور ان کی سب سے بڑی خدمت یہ ہوگی کہ وہ بھوکے اور ننگے نہ رہیں، اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ہر وقت ان کو کسی کا دستِ نگر اور محتاج نہ ہونا پڑے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ بہترین صدقہ یہ ہے کہ کسی کو بطورِ عطیہ چند دِن کے لیے دودھ والی اونٹنی یا بکری دے دی جائے تاکہ وہ صبح وشام اس کا دودھ پیتا رہے

---

[1] ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب حق السائل۔ مسند احمد: ۱/۲۰۱

[2] مشکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقۃ بحوالہ بیہقی [3] مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ، باب الانفاق بحوالہ احمد، ترمذی، ابوداؤد (کتاب الزکوٰۃ، باب حق السائل)

اور دودھ ختم ہونے کے بعد واپس کردے[۱]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص چند دن کے لیے، کسی کو دودھ دینے والی بکری دے یا روپیہ قرض دے یا کسی کو راستہ دکھا دے تو اس کو اتنا ثواب ہوگا جتنا ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوتا ہے[۲]

جب چند روز کے لیے کسی حاجت مند کی حاجت پورا کرنے کی یہ فضیلت ہے تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی کی غربت و افلاس کو ختم کرکے اسے سکون کی زندگی بسر کرنے کے قابل بنانا کس قدر اجر و ثواب کا باعث ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کتنا بڑا اجر ہوگا۔

۳- رفاہِ عام کے کام

انسانوں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تیسری صورت رفاہِ عام کے کام ہیں۔ اسکول اور ہاسپٹل چلانا، سڑکیں اور پل بنوانا، مسافر خانوں اور یتیم خانوں کا نظم کرنا رفاہی کام کی مختلف شکلیں ہیں۔ اس طرح کے کاموں میں فرد واحد کے مفاد کی جگہ پورے معاشرے کا مفاد پیش نظر ہوتا ہے، اس لیے ان کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔ کسی شخص کو اچھی تعلیم دے کر سوسائٹی میں ایک باعزت مقام تک پہنچانا خاص اس شخص کی خدمت ہے۔ اس کے مقابلہ میں کسی اچھے اسکول کا چلانا جہاں سے بے شمار بچے علم و ہنر سے آراستہ ہوکر نکلیں، پورے معاشرے کی خدمت ہے۔ ایک فرد پر دوسرے افراد کے حقوق بھی عائد ہوتے ہیں اور معاشرے کے حقوق بھی۔ ان دونوں قسم کے حقوق کا ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ ایک طرف بیوی بچوں، عزیزوں اور قرابت داروں کے مطالبات کا پورا کرنا بھی اس پر فرض ہے اور دوسری طرف ان تقاضوں کو بھی وہ نظر انداز نہیں کرسکتا، جو کسی معاشرے کے جزو ہونے کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔ کسی معاشرے کا بہترین فرد وہی ہے، جو ان دونوں طرح کے تقاضوں کو

۱۔ بخاری، کتاب الہبۃ، باب فضل المنیحۃ۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل المنیحۃ

۲۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی المنحۃ

سامنے رکھے۔ اور ان کے پورا کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔ ہر شخص کو اپنے قریب کے افراد سے محبت ہوتی ہے اور وہ دوسروں پر ان کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ جذبہ فطری ہے اور ایک حد تک اس کی رعایت کرنا بھی صحیح ہے، لیکن بعض لوگ معاشرے کو نقصان پہنچا کر بھی اپنے قریبی افراد کا فائدہ چاہتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ معاشرے کے بدخواہ ہیں۔ کسی معاشرے کا خیر خواہ وہ شخص ہے جو اپنے قریب ترین افراد کی خاطر بھی معاشرے کو نقصان نہ پہنچائے اور ہر دم اس کی بھلائی چاہے۔ کوئی بھی معاشرہ اسی وقت ترقی کرسکتا ہے جب کہ اس میں ایسے افراد موجود ہوں جو اس کو اوپر اٹھانے کی جدوجہد کریں اور اسے کسی قسم کا ضرر پہنچے نہ دیں۔ اسلام نے جہاں اِس بات کی تاکید کی ہے کہ انسان اپنے قریب ترین افراد کے حقوق ادا کرے، وہیں اس امر کی بھی ترغیب دی ہے کہ وہ معاشرے کے لیے سود مند ہو اور اس کی فلاح و بہبود اور ترقی کی کوشش کرے۔ چناں چہ اس نے اجتماعی مفاد کے کاموں کی طرف بار بار توجہ دلائی اور ان کو بہت اہمیت دی ہے۔ اس کا اندازہ ذیل کی حدیثوں سے ہوسکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے ایک شخص کو جنت میں چلتے پھرتے دیکھا (جس کا خاص عمل یہ تھا کہ) اس نے راستہ سے ایک ایسا پیڑ کاٹ دیا تھا جو لوگوں کو تکلیف دے رہا تھا[۱]

مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے راستہ سے ایک تکلیف دہ چیز ہٹا دی تو اس کے لیے جنت کی راہ آسان ہوگئی اور کسی رکاوٹ کے بغیر جنت کے سبزہ زاروں میں گشت کرنا اس کے لیے آسان ہوگیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے راستہ گزرتے دیکھا کہ راستے کے بیچ میں ایک بڑی شاخ پڑی ہوئی ہے۔ اس نے یہ سوچ کر کہ اس سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے، اسے وہاں سے ہٹا دیا (اللہ تعالیٰ کو اس

---

۱ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل ازالۃ الاذی عن الطریق

کا یہ کام اس قدر پسند آیا کہ اس کے عوض) اس نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔[1]

اوپر کی حدیث میں لوگوں کو تکلیف دینے والے ایک پیڑ کو کاٹ دینے پر جنت کا مستحق قرار دیا گیا تھا، لیکن اس حدیث میں صرف ایک شاخ کے ہٹانے پر اس کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی راہ سے چھوٹی بڑی پریشانی کو دور کرنا اور ان کو معمولی سے معمولی فائدہ پہنچانا بھی انسان کو جنت جیسی ابدی نعمت کا حق دار بناتا ہے۔

۳- حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے چاہا کہ اپنی ماں کی طرف سے صدقہ و خیرات کریں۔ اس غرض سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ کون سا صدقہ سب سے اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا: کنواں کھدوا دو۔ چناں چہ انہوں نے اپنی ماں کے نام سے کنواں کھدوا دیا۔[2]

کنواں کھدوانا خدمت خلق کی ایک صورت ہے۔ ایسی اور بھی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں اپنی دولت صرف کرنا چاہے، اسے خدمت خلق کے کاموں میں صرف کرنی چاہیے۔ یہ سب سے اچھا صدقہ ہے۔

۴- حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی ﷺ سے درخواست کی، آپ مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجیے کہ میں اس سے فائدہ اٹھا سکوں۔ آپؐ نے جواب دیا۔ مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دور کردو۔[3]

یہ بہت ہی جامع حدیث ہے۔ اس میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ مسلمانوں کے راستے سے چھوٹی بڑی ہر طرح کی تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ راستہ سے کانٹے، پتھر اور روڑے کا ہٹا دینا بھی کارِ ثواب ہے اور اس سے انسان کو آخرت میں یقیناً فائدہ پہنچے گا۔ لیکن اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ معاشرے سے وہ

---

[1] بخاری، کتاب المظالم، باب من اخذ الغصن و ما یوذی الناس الخ، مسلم حوالہ سابق

[2] ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب فی فضل سقی الماء۔ نسائی، کتاب الوصایا، باب فضل الصدقۃ عن المیت

[3] مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل ازالۃ الاذی عن الطریق۔ ابن ماجہ، ابواب الادب، باب اماطۃ الاذی عن الطریق۔

بڑی بڑی مادی اور اخلاقی رکاوٹیں دور کی جائیں، جن کے بغیر وہ ترقی نہیں کرسکتا۔ جو قوم غربت و افلاس اور مرض و جہالت میں گرفتار ہو، جس کے اندر قومی و گروہی تعصبات پرورش پا رہے ہوں، جو اعلیٰ اصولوں کے لیے قربانی نہ دے سکے، وہ کبھی عزت و سربلندی نہیں حاصل کرسکتی۔ اس کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اسے اخلاقی طور پر اوپر اٹھایا جائے اور مادّی لحاظ سے اس کو مضبوط بنایا جائے۔

۵- حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ مومن کے مرنے کے بعد بھی جن اعمال اور نیکیوں کا ثواب اِسے پہنچتا رہتا ہے۔ اِن میں یہ چیزیں بھی داخل ہیں۔ وہ علم جو اس نے سیکھا اور دنیا میں پھیلایا۔ اس کی نیک اولاد (کیوں کہ اس کو نیکی کی راہ پر لگانے میں اس کی کوششوں کا بھی دخل تھا)۔ قرآن شریف جو اس نے اپنے بعد چھوڑا (جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں) مسجد جو اس نے بنوائی۔ مسافر خانہ جو اس نے تعمیرا کرایا۔ نہر جو اس نے کھدوائی اور وہ صدقہ جسے اس نے اپنے مال سے اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں نکالا[۱]

یہ حدیثیں اس اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں جو شریعت نے رفاہِ عام کے کاموں کو دی ہے۔ یہ اس کے نزدیک صدقات جاریہ ہیں، جن کے اجر و ثواب کی وہ اپنی زندگی کے بعد بھی توقع کرسکتا ہے۔

۴- خدمتِ خلق کے ادارے

فرد کے نزدیک قوت کا تھوڑا سا سرمایہ ہوتا ہے۔ وہ خدمتِ خلق اور رفاہِ عام کے بعض بڑے کام انجام نہیں دے سکتا۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ بہت سے افراد مل جل کر منظم طریقہ سے کوشش کریں۔ تنظیم کی خوبی یہ ہے کہ وہ بہت سے افراد کی قوت کو استعمال کرتی ہے۔ اس لیے اس کی طاقت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے اور ایسے کام اس کے امکان میں ہوتے ہیں۔ جو فرد کے دائرۂ اختیار میں نہیں ہوتے، جس مقصد کے حصول کو فرد

۱- ابن ماجہ، باب ثواب معلم الناس الخیر، الترغیب والترہیب، بحوالہ بیہقی: ۱/ ۶۸

دشوار سمجھتا ہے۔ تنظیم کے ذریعے وہ مقصد بہ آسانی حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر خدمتِ خلق کی منظّم جدوجہد کی جائے اور مل جل کر سماج کی فلاح و بہبود کے کام کیے جائیں تو ان کی افادیت کا دائرہ وسیع ہوگا اور جن کاموں کو فرد اہمیت دینے کے باوجود انجام نہیں دے پاتا وہ انجام پاسکیں گے۔ اسلام خدمت خلق کی منظّم جدوجہد کو پسند کرتا اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اس مقصد کے لیے وہ غیر مسلم تنظیموں کے ساتھ بھی تعاون کے لیے تیار ہے۔ اس لیے کہ یہ اس کی تعلیمات کے عین مطابق ہے اور اس سے اسی کا ایک اہم مقصد پورا ہوتا ہے۔

حلف الفضول

رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب میں کوئی مضبوط سیاسی نظام نہیں تھا، جس کی وجہ سے ایک طرح کا سیاسی و سماجی انتشار پایا جاتا تھا اور لوگوں کی جان و مال محفوظ نہ تھے۔ بعض اوقات جو طاقت ور ہوتا کم زور پر دست درازی کر بیٹھتا اور اس سے کوئی باز پرس نہ کرتا۔ ذرا ذرا سی بات پر جنگ و جدال، خون ریزی اور ظلم و زیادتی کا بازار گرم ہو جاتا اور کوئی اس کو روکنے والا نہ ہوتا۔ مکہ جیسے دار الامن اور مرکزی شہر کی حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی۔ اس صورتِ حال کو بعض درد مند اور شریف لوگوں نے بدلنا چاہا اور مشورہ کے لیے عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ ظلم و زیادتی کو ہر قیمت پر روکا جائے گا۔ کسی بھی شخص پر چاہے وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا باہر سے آیا ہو، ظلم نہ ہونے دیا جائے گا۔ ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت کی جائے گی اور اسے اس کا حق دلوایا جائے گا اور ضرورت مندوں اور محتاجوں کی مدد کی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ بھی اس معاہدے میں شریک تھے۔ یہ معاہدہ آپ ؐ کی بعثت سے پہلے ہوا تھا۔ لیکن بعثت کے بعد بھی آپ ؐ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

لقد شهدت في دار عبد الله ابن جدعان حلفا ما احب ان لي به	میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں ایک ایسے معاہدے میں شریک ہوا کہ مجھے اس کے عوض

حمر النعم و لو ادعی بہٖ فی الاسلام لاَجبت[1]	سرخ اونٹ (عرب کی سب سے بڑی دولت) بھی پسند نہیں ہیں۔ اگر اسلام کے بعد بھی مجھے اس کی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔

ظلم و ناانصافی کے خاتمہ، انسانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی خدمت کے لیے جو تنظیم کام کرتی ہے، وہ معاشرے کا بہت بڑا سرمایہ ہے۔ جو سماج اس قیمتی سرمایے سے خالی ہو وہ دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ اسلام اس کا محافظ بھی ہے اور اس کو ترقی دینا بھی چاہتا ہے۔

۵- ریاست سے تعاون

خدمتِ خلق کا سب سے بڑا ادارہ ریاست ہے۔ افراد اور تنظیمیں ہزار طاقتور سہی، لیکن ان کی طاقت بہرحال محدود ہوتی ہے۔ ان کو اتنے وسائل و ذرائع حاصل نہیں ہوتے کہ ہر پہلو سے معاشرے کی خدمت کرسکیں اور اس کی تمام مشکلات کو حل کردیں۔ ریاست غیر معمولی وسائل و ذرائع کی مالک ہوتی ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کرسکتی ہے۔ اس لیے ایک فلاحی ریاست کی یہ قانونی اور اخلاقی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ پورے معاشرے کی تعمیر اس ڈھنگ سے کرے کہ کوئی بھی شخص ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے اور اسے وہ تمام سہولتیں اور مواقع حاصل ہوں، جو اس کی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ اگر ریاست اپنی ذمہ داری کو محسوس نہ کرے تو اس کا وجود بے معنیٰ ہے۔ لیکن ریاست اتنی بڑی ذمہ داری سے اسی وقت سبکدوش ہوسکتی ہے، جب کہ افراد اس کے ساتھ تعاون کریں۔ محض ریاست کی کوشش سے معاشرہ غربت، افلاس، جہالت، بے روزگاری اور مرض جیسی مصیبتوں سے پاک نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر فرد میں معاشرہ کو پستی سے نکالنے اور اوپر اٹھانے کا جذبہ پایا جائے۔ ریاست اور افراد کے اشتراک و تعاون ہی سے خدمت خلق کا حق ادا ہوسکتا ہے۔ اس کے بغیر یہ کام ہمیشہ ادھورا اور ناقص ہی رہے گا۔

---

[1] ابن سعد: ۱/۱۲۹۔ ابن ہشام: ۱/ ۱۴۴، ۱۴۵

خدمت کا وسیع مفہوم

کسی کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کے معنی یہی نہیں ہیں کہ اس کی مالی مدد کی جائے۔ اور اس کی مادّی ضرورتیں پوری کردی جائیں، بلکہ اس میں محبت، ہمدردی، دل جوئی اور وہ اعلیٰ اخلاقی رویہ بھی داخل ہے جو ایک شریف انسان دوسرے انسان کے ساتھ اختیار کرتا ہے اور جسے حسن خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اِس دنیا میں انسان اسی کا محتاج نہیں ہے کہ پیٹ بھرنے کے لیے اسے دو وقت روٹی، تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا اور سر چھپانے کے لیے مکان مل جائے۔ اگر وہ بیمار پڑ جائے تو اسے شفاخانہ پہنچا دیا جائے بلکہ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ غریب اور نادار ہے تو اسے حقیر اور ذلیل نہ تصور کیا جائے، اس کے ساتھ مساوات اور برابری کا برتاؤ کیا جائے۔ وہ بیمار ہے، تو اس کی دوا دارو ہی کا انتظام نہ کیا جائے، بلکہ اس کی خدمت اور تیمار داری بھی کی جائے۔ اس میں کوئی خوبی ہے تو اس کا اعتراف کیا جائے، اس کی خوشی اور غم میں شرکت کی جائے اور ٹھوس مادّی تعاون کے ساتھ گفتگو، میل جول اور تعلقات میں بھی اعلیٰ اخلاقی رویہ اختیار کیا جائے۔ قرآن مجید اور حدیث کی رو سے اس کے بغیر خدمت اور حسن سلوک کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اس کی ایک اچھی مثال یہ ہے کہ ماں باپ اِسی کے محتاج نہیں ہوتے کہ اولاد ان کے کھانے، کپڑے کا انتظام کردے، بلکہ وہ اولاد سے ایسی محبت اور ہمدردی کے بھی طالب ہوتے ہیں جو ان کے بڑھاپے کی کلفتوں کو دور کردے۔ ان کو یہ احساس نہ ہونے دے کہ وہ معاشرے میں اکیلے، تنہا اور بے مصرف ہوکر رہ گئے ہیں۔ ان کی ضعیفی اور

پیرانہ سالی کی رعایت کرے۔ ان کو اپنا بڑا مانے اور ان کے ساتھ تعظیم و توقیر سے پیش آئے۔ قرآن مجید نے اولاد کو ان کی معاشی کفالت کا حکم نہیں دیا، بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے، جس میں معاشی کفالت بدرجۂ اولیٰ اور سب سے پہلے شامل ہوجاتی ہے۔ اب دیکھئے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا قرآن کے نزدیک تصور کیا ہے؟

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَا اَوْ کِلاَھُمَا فَلاَ تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ وَّ لاَ تَنْھَرْھُمَا وَ قُلْ لَّھُمَا قَوْلاً کَرِیْماًo وَ اخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَ قُل رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْراًo (بنی اسرائیل:۲۳،۲۴)

والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان کے ساتھ ادب اور تہذیب سے بات کرو اور ان کے لیے دعا کرو کہ اے اللہ تو ان کے ساتھ اسی طرح رحم فرما، جس طرح انہوں نے محبت اور ہمدردی سے مجھے بچپن میں پالا تھا۔

بعض اوقات ہمدردی کا ایک لفظ محبت بھری ایک بات اور ایک کلمۂ خیر کی مادّی تعاون سے زیادہ قدر و قیمت ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے شیریں کلامی اور حسنِ تخاطب کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ایک جگہ نماز اور زکوٰۃ سے پہلے اس کا ذکر کیا ہے۔

وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرۃ:۸۳)

اور لوگوں سے اچھے طریقے سے بات کرو۔ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

ایک غریب اور نادار شخص کی خدمت تو روپے پیسے کے ذریعے ہوسکتی ہے، لیکن جس کے پاس خود دولت ہو اسے ہمارے پیسہ کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ البتہ ہمدردی اور محبت اور اخلاقی رویہ کا محتاج ہر شخص ہے۔ اس سے نہ کوئی امیر بے نیاز ہوسکتا ہے، نہ کوئی فقیر۔

خدمت کے چند اور پہلو

احادیث میں اس حقیقت کو بہت نمایاں کیا گیا ہے کہ انسانوں کی خدمت روپیہ پیسہ ہی کے ذریعے نہیں ہوتی، بلکہ اس کی اور بھی بہت سی صورتیں ہیں۔ کسی معذور کی مدد کرنا، کسی اندھے کو راستہ دکھانا، راستہ سے کوئی تکلیف دور کرنا، کسی کو پانی بھر کے دے دینا، حتّٰی کہ کسی سے خندہ پیشانی سے ملنا اور حسن سلوک کرنا یہ بھی ان کی خدمت ہے اور روپیہ پیسہ خرچ کرنے کی طرح یہ بھی صدقہ ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہر مسلمان پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ اس پر صحابہ نے سوال کیا۔ اگر کسی کے پاس صدقہ کے لیے کچھ نہ ہو تو کیا کرے؟ آپؐ نے فرمایا محنت کرے جو ملے اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسرے کو بھی فائدہ پہنچائے۔ اصحاب نے عرض کیا۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا کسی ضرورت مند اور مصیبت زدہ کی (مال کے علاوہ کسی اور طریقہ سے) مدد کرے۔ عرض کیا گیا، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا بھلائی کا حکم دے۔ درخواست کی گئی کہ اگر کوئی شخص یہ بھی نہ کر سکے تو اس کے لیے کیا ہدایت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ برائی سے رک جائے۔ یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے[۱]

ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا: سورج جب طلوع ہوتا ہے تو انسان کے جوڑ جوڑ پر

---

[۱] بخاری، کتاب الادب، باب کل معروف صدقۃ۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف

صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔ (لیکن صدقہ صرف مال ہی سے نہیں کیا جاتا بلکہ) دو آدمیوں کے درمیان انصاف کردو یہ بھی صدقہ ہے۔ کسی کو سواری کے جانور پر بیٹھنے میں مدد دو، یہ بھی صدقہ ہے۔ سواری پر کسی کا سامان رکھ دو، یہ بھی صدقہ ہے۔ زبان سے اچھی طرح بات کرو، یہ بھی صدقہ ہے، اسی طرح نماز کے لیے اٹھنے والا تمہارا ہر قدم صدقہ ہے، راستہ سے کسی اذیت رساں چیز کو دور کردو، یہ بھی صدقہ ہے۔[1]

ایک مرتبہ آپؐ نے جہنم کی ہولناکی کا ذکر کیا۔ اور فرمایا: اتقوا النار ولو بشق تمرة فان لم یکن فبکلمة طیبة (صدقہ کے ذریعے) سے جہنم سے بچو۔ اگر کچھ نہ ہو تو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی سہی۔ یہ بھی نہ ہو تو زبان سے اچھی بات کر کے ہی اس سے بچو۔[2]

ایک اور حدیث میں ہے، آپؐ نے فرمایا:

كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ[3] نیکی کا ہر کام صدقہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کی خدمت اور ان کے ساتھ خیر خواہی کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ہر شخص اِس محاذ پر اپنا حق ادا کرسکتا ہے اور اسے فی الواقع ادا کرنا چاہیے۔ اس کے لیے نہ تو صاحبِ ثروت ہونا ضروری ہے اور نہ حکومت و ریاست کے تعاون ہی کی حاجت ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ دولت یا ثروت یا حکومت و ریاست کے ذریعے صرف چند گوشوں میں انسانوں کی خدمت ہوسکتی ہے۔ بہت سے گوشے وہ ہیں جہاں فرد کا اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار ہی کام آسکتا ہے۔ حکومت و ریاست کسی معذور کو وظیفہ، کسی بے روزگار کو روزگار، کسی بے گھر کو مکان اور کسی مریض کو طبی امداد تو فراہم کرسکتی ہے لیکن تمام وسائل کے باوجود باپ، بیٹے، بھائی، دوست، ہمسایہ اور شریف شہری کا بدل نہیں بن

---

[1] مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف

[2] بخاری، کتاب الادب، باب کل معروف صدقۃ۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، حوالہ سابق

[3] حوالۂ سابق

سکتی، جو جذباتی سکون اور اعلیٰ سلوک اس کو ان افراد سے مل سکتا ہے۔ وہ ریاست کے چھوٹے بڑے کسی ادارے سے نہیں مل سکتا۔

بلا امتیاز خدمت

حسن سلوک کسی خاص گروہ اور جماعت کے ساتھ نہیں، بلکہ پوری نوعِ انسانی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اپنوں کے ساتھ بھی اور غیروں کے ساتھ بھی۔ ہم خیال اور ہم عقیدہ افراد کے ساتھ بھی اور ان لوگوں کے ساتھ بھی جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں۔ وہ بھی اس کے مستحق ہیں جو ہماری زبان بولتے ہیں اور وہ بھی جن کے اظہارِ خیال کا ذریعہ دوسری زبان ہے۔ یہی قرآن مجید کی تعلیم ہے اور احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چناں چہ قرآن مجید نے مسکینوں، محتاجوں، معذوروں، یتیموں اور وسائل سے محروم انسانوں کی خدمت اور اُن کے ساتھ حسن سلوک کا عام حکم دیا ہے۔ کہیں بھی اس نے یہ ہدایت نہیں کی کہ کسی خاص فرقے، جماعت اور رنگ و نسل والوں کی تو خدمت کی جائے اور دوسروں کی نہ کی جائے۔

اس لیے یہ بات صحیح نہیں ہے، بلکہ قرآن کی تعلیم اور اس کے منشا کے خلاف ہے کہ انسانوں کو گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم کیا جائے اور کچھ کو خدمت اور حسن سلوک کا مستحق سمجھا جائے اور کچھ کو اس کا مستحق نہ خیال کیا جائے۔

احادیث میں یہ حقیقت بہت نمایاں ہے۔ ذیل میں چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت جریرؓ بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ یرحم اللّٰہ من لاَ یرحم الناس[۱] — جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ (بھی) اس پر رحم نہیں فرماتا۔

۲۔ حضرت انسؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

---

[۱] بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تبارک و تعالیٰ، قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمتہ ﷺ الصبیان والعیال وتواضعہ وفضل ذلک

نے فرمایا:

اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عَيَالِهٖ[1]

اللہ کی مخلوق اس کی اولاد ہے۔ اللہ کو وہ شخص سب سے زیادہ محبوب ہے، جو اس کی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

۳- حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں:

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِى الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِى السَّمَآءِ[2]

انسانوں کے ساتھ رحم کرنے والوں پر رحمٰن (بھی) رحم کرتا ہے۔ (لہٰذا) زمین والوں پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

۴- حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مَنْ شَقِيٍّ[3]

رحم اور ہمدردی تو اسی شخص کے سینہ سے نکال دی جاتی ہے، جو بدبخت ہے۔

۵- حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ نے ان کے پاس پہنچ کر کہا کہ کیا میں تمہیں بتادوں کہ تم میں بھلا کون ہے اور برا کون؟ آپؐ کے اس سوال پر سب لوگ خاموش رہے۔ لیکن جب آپؐ نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا۔ تو ایک شخص نے کہا۔ یا رسول اللہ بتایئے کہ ہم میں بھلا کون ہے اور برا کون؟ آپؐ نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ يُّرْجٰى خَيْرُهٗ وَ يُؤْمَنُ شَرُّهٗ وَ شَرُّكُمْ مَنْ لَّا يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَ لَا يُؤْمَنُ شَرُّهٗ[4]

تم میں بہترین شخص وہ ہے، جس سے بھلائی کی توقع کی جائے اور جس کے شر سے لوگ محفوظ رہیں۔ اور تم میں بدترین شخص وہ ہے، جس سے بھلائی کی توقع نہ کی جائے اور اس کے شر سے لوگ محفوظ نہ رہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الادب، باب البر والصلۃ بحوالہ بیہقی

[2] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمۃ۔ ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الناس

[3] ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الناس۔ مسند احمد: ۳/۴۶۱

[4] مسند احمد: ۲/۳۶۸۔ ترمذی، ابواب الفتن، باب بغیر عنوان مشکوٰۃ، کتاب الآداب بحوالہ و بیہقی

اِن احادیث میں کسی فرق و امتیاز کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے اور مسکینوں، بیواؤں، یتیموں، مصیبت زدہ انسانوں، بیماروں، غلاموں اور قیدیوں کی خدمت کے لیے کسی قسم کی شرط نہیں لگائی گئی ہے۔ یہ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ جو بھی شخص ہماری ہمدردی اور مدد کا محتاج ہے، اس کی مدد کی جانی چاہیے۔ اس معاملہ میں اپنے اور پرائے، شناسا اور اجنبی، ہم مذہب اور دوسرے مذہب والے کے درمیان فرق کرنا اور کسی کو خدمت کا مستحق سمجھنا اور کسی کو اس کا حق دار نہ سمجھنا اسلام کے مزاج اور اس کی ہدایت کے سراسر خلاف ہے۔

اِن احادیث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ خدمتِ خلق کی اہمیت بیان کرتی ہیں۔ جو کام شب و روز کی عبادت کے برابر ہو، جس سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے، جو اسے اللہ سے قریب کردے، جس کی وجہ سے اللہ کی رحمت نازل ہو، جو سنگ دِلی اور شقاوت جیسی اخلاقی خرابیاں دور کرنے کا ذریعہ ہو، جو اسے نیک اور صالح اور معاشرے کا بہترین فرد بنا دے، اس کی عظمت اور اہمیت سے ایک مسلمان کیسے انکار کرسکتا ہے؟ اس کے لیے اس میں اتنی بڑی ترغیب ہے کہ اس کے بعد وہ کسی دوسری ترغیب کا محتاج نہیں رہتا۔